ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.2(2023)
(July to September)

اُردو افسانے میں بے باک طرزِ اظہار کا نفسیاتی جائزہ

A Psychological Analysis of Bold Expression in Urdu Fiction

عبدالمناف

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر ریاض قدیر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، منہاج یونی ورسٹی، لاہور

Abdul Munaf

Ph. D Scholar, Department of Urdu, Minhaj Univeristy, Lahore

Dr. Riaz Qadeer

Associate Professor, Department of Urdu, Minhaj University, Lahore

Abstract:

In the psychological analysis of bold style of expression in Urdu fiction, it is related to the analysis and analysis of these psychological conditions which affect the human psychology and open the layers of the individual and his personality. To understand human psychology, it is very important to know Freud's theory of psychosis. Freud's greatest achievement is the discovery of the unconscious. He researched in a scientific manner by making the unconscious a special subject. According to which our mind has some hidden layers in which there are forgotten events and some forgotten memories. Most of the daily human experiences go into the subconscious or unconscious. Some events can be called into our consciousness subconsciously whenever we want, but many events are lost in the unconscious.

Keywords: Psychological analysis, Urdu fiction, Freud's theory, memories, unconscious, ubconsciously

بے باکی کا معنی ہے دلیرانہ اقدام کرنا، کسی بھی میدان میں دلیری دیکھانا یا روایت سے ہٹ کر موضوعات کو بیان کرنا۔ اردو افسانے میں بے باک طرز اظہار کی ابتداء "انگارے" سے ہوئی جسے سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں اور محمود الظفر نے شائع کیا۔ بے باکی کو صرف جنس نگاری کے موضوع تک محدود کر دینا مناسب نہیں ہر ادیب کے ہاں بے باکی کا اپنا تصور اور اپنا نظریہ ہے۔ کسی نے روایتی موضوعات سے ہٹ کے لکھ کر بے باکی کا مظاہرہ کیا تو کسی نے سماجی مسائل کی نشاندہی کر کے بے باکی کا مظاہرہ کیا۔ کسی نے جنس نگاری پہ کھل کے لکھا تو کسی نے طوائف کے موضوع پہ لکھا۔ کسی نے اقلیتوں کے حقوق جیسے نازک مسئلے کو بھی موضوع بنایا اور وہاں اپنی دلیری کا ثبوت دیا۔ اکرام اللہ کا نام اس حوالے سے بہت اہم ہے۔ ادب کا بنیادی موضوع چونکہ انسان ہوتا ہے تو انسان کے ساتھ جو بھی مسائل و معاملات درپیش ہوتے ہیں ایک ادیب ان کا تجزیہ کر کے ان کے محرکات بیان کرتا ہے۔ بعض ادیب مصلحت سے کام لیتے ہیں اور بعض دلیری سے چیزوں کو بیان کر دیتے ہیں۔ بعض کا طرز اظہار بے باکی جیسی خصوصیات رکھتا ہے اور بعض کا طرز اظہار نرم ہوتا ہے۔ تانیثیت جیسا موضوع بھی ادیب سے بے باکی کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس موضوع پر مرد لکھاریوں نے

بھی بہت عمدہ افسانے لکھے ہیں مگر عورت لکھاریوں کا طرز اظہار اور موضوع کو بیان کرتے ہوئے زیادہ بے باک ہو گیا ہے۔ ان لکھاریوں میں عصمت چغتائی، قرات العین حیدر، واجدہ تبسم، بانو قدسیہ، خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور کے نام قابل ذکر ہیں۔ منٹو نے جنس پہ دلیرانہ طریقے سے لکھا تو کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی نے سماجی برائیوں پہ کھل کر لکھا۔ عصمت چغتائی نے بھی منٹو کی روایت پہ چلتے ہوئے دلیرانہ طریقے سے جنسی موضوعات پہ لکھا۔ انگارے میں جنسی موضوعات کو جگہ ملی اور ساتھ ساتھ تصور خدا کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ تصور خدا میں جو ثنویت ہے وہ بطور خاص نشانہ بنی۔ یعنی امیروں کا تصور خدا اور، جب کہ غریبوں کا تصور خدا اور ہے۔ اسی مجموعے میں سماج کے ظلم پر بھی دلیرانہ طریقے سے کھل کر لکھا گیا۔

سعادت حسن منٹو نے جنسی مسائل پر کھل کر لکھا اور ان موضوعات پر قلم اٹھایا جن پہ عام افسانہ نگار لکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ منٹو کی قلمی ہمزاد عصمت چغتائی نے بھی جنسی مسائل پہ کھل کے اظہار خیال کیا لیکن منٹو اور عصمت کے بے باک طرزِ اظہار میں فرق ہے۔ منٹو انسانی باطن کے نفسی مسائل کا بیان بھی سامنے رکھتے ہیں جبکہ عصمت مضحک صورت حال پیدا کر دیتی ہیں۔ منٹو کے جنسی مسائل کا تعلق گھر کی چار دیواری کے باہر سے ہے جبکہ عصمت چغتائی کا تعلق چار دیواری کے اندر سے ہے۔ احمد ندیم قاسمی اور بلونت سنگھ نے معاشرے کے مسائل کو بے باکی سے بیان کیا اور امیر غریب کے درمیان تناو کو بھی بغیر لگی لپٹی کے بیان کر دیا۔ اس ضمن میں کرشن چندر کا نام بھی آ جاتا ہے۔ انہوں نے بھی امیروں کی عیاشیوں اور خاص طور پر سیاستدانوں کی پر تعیش زندگی کو بے باکی سے بیان کیا ہے۔ کرشن چندر کے ہاں کبھی کبھی تلخی بھی در آتی ہے۔ منشی پریم چند اور حیات اللہ انصاری نے جاگیر دار اور مزارع کی کشمکش کو عمدگی سے بیان کیا ہے اور مزدور کے حقوق کی بات بہت صراحت اور دلیری سے کی ہے۔ جدید عہد میں محمد حمید شاہد نے آمرانہ نظام اور دہشت گردی جیسے نازک موضوع پہ لکھ کر اپنی دلیری کو ثابت کیا۔ احمد جاوید نے بھی علامتی انداز میں آمریت کے خلاف کھل کر لکھا۔ انیس ناگی کا اس حوالے سے بڑا نام ہے کہ انہوں نے آمرانہ نظام اور آمرانہ حکومت کے خلاف کھل کر لکھا اور استحصالی قوتوں کے منہ پر تھپڑ رسید کیے۔ ترنم ریاض کشمیر کی اردو لکھاری ہیں انہوں نے کشمیر کے موضوع پہ بہت دلیری سے لکھا اور بھارت کے مکروہ اور آمرانہ رویے کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔ جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی نظر آتی ہیں۔

اُردو افسانے میں بے باک طرز اظہار کی باقاعدہ ابتدا ۱۹۳۲ء میں افسانوں کے مجموعے "انگارے" سے ہوئی۔ سجاد حیدر یلدرم جسے رومانی افسانہ نگار بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے "خارستان و گلستان" میں جس انداز سے خارا اور اس کی محبوبہ کے ملن ملاپ کو بیان کیا ہے۔ اس سے قاری کے دماغ پر ضرب لگتی ہے اور وہ اسی منظر اور وادیوں میں کھونے لگتا ہے اور قاری خود کو خارا تصور کرنے لگتا ہے۔ ادبی تحریوں کے یہ تمام تر معاملات انسانی نفسیات کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جنھیں سمجھنے اور جانچنے کے لیے ادب کے طالب علم کو پہلے علمِ نفسیات کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ اردو افسانے میں جنس نگاری کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں نفسیات کی اصطلاح کو سمجھنا ہو گا۔ نفسیات اصل میں انسانی ذہن اور رویے کا سائنسی مطالعہ ہے جو بنیادی طور پر انسانی ذہن اور دماغی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ نفسیات چونکہ انسانی ذہن اور اس کے محرکات سے وابستہ ہے اور ادب بھی انسانی اذہان اور اس کے محرکات کا عکاس ہوتا ہے۔ اسی طرح جنسی جذبات کا تعلق بھی براہ راست دماغ کے ساتھ ہے تو ادب، جنس اور نفسیات کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ ادب، نفسیات اور جنس آپس میں یوں جڑے ہیں جس طرح مثلث کے تمام سرے ملے ہوتے ہیں اور ہر سرا دوسرے سرے سے مل کر ایک نئی صورت کو جنم دیتا ہے جسے زاویہ کہتے ہیں جو آگے نئی راہیں اور ان کے حل تلاش کرنے میں مدد دیتا

ہے۔ دراصل جب ہم نفسیاتی جائزے کی بات کرتے ہیں تو اس میں تجزیاتی طریق کار ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جنس کی نفسیات کو شیر محمد اختر نے یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> "جنس کا مطالعہ انسانی عجائبات کو سامنے لاتا ہے۔ ہم حیران ہو جاتے ہیں کہ وہی انسان جو زندگی کے شعبوں میں اپنے تئیں کائنات کا آقا خیال کرتا ہے اس کے جنسی پہلو کتنے نرالے ہیں ۔"(۱)

اس ضمن میں کینتھ واکر لکھتے ہیں:

> "انسانی جنسیت کا مقصد ارتقائی نشوونما میں اضافہ کرنا اور زیادہ آزاد، مؤثر، بے مثل اور زندہ موجودات کی تخلیق کرنا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جنسی محرک، جو اپنی فطرت کے اعتبار سے اس اعلیٰ تر مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان میں اتنی شدت سے کار فرما ہے کہ اس کے تمام افعال اور اس کی تمام اعلیٰ ترین اقدار کا سرچشمہ یہی محرک ہے۔"(۲)

اُردو افسانے میں جنس نگاری کی روش جس طرح منٹو، مذنب، عصمت اور واجدہ نے عام کی ہے اس طرح کی روش دوسرے افسانہ نگاروں کے ہاں بہت کم ملتی ہے۔ ان تخلیق کاروں کے سبب اردو میں جنسی نفسیات کو عروج ملا اور تحلیل نفسی کے نظریات کو اردو افسانوں میں اٹھان ملی۔ جنسی جذبات اور ان کا کتھارسس تعمیری معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

> "آج کا اردو ادب ہی نہیں دنیا کی دوسری زبانوں کے ادب میں بھی جنس کو بطور موضوع پیش کرنے کی روش عام ہو چکی ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے، اس کے لیے کوئی موضوع بھی نامناسب نہیں مگر وہ اس بات کا تقاضا ضرور کرتا ہے کہ جب کوئی موضوع ادب میں داخل ہو تو اپنا پرانا بوجھل لبادہ اتار کر آئے ورنہ فن پارہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا بالکل جیسے انسانی جسم میں غلط قسم کا خون داخل کیا جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتا مگر دوسری طرف صورت یہ ہے کہ بیسویں صدی نے انسان کو جنسی طور پر مشتعل کر دیا ہے اور اس اشتعال انگیزی میں اس کی بصری صلاحیت نے خاص طور پر ایک اہم حصہ لیا ہے۔ انسان کی بصری صلاحیت بیک وقت ایک نعمت بھی ہے اور المیہ بھی! نعمت یوں کہ بصری قوت اسے نہ صرف اشیاء کو فاصلے سے گرفت میں لینے اور یوں ایک وسیع تناظر کا احاطہ کرنے کے قابل بناتی ہے بلکہ انسان کے تخیل کو مہمیز لگا کر اس کی زد کو وسیع بھی کر دیتی ہے۔"(۳)

اُردو افسانے میں بے باک طرز اظہار کے نفسیاتی جائزہ میں ان نفسی کیفیات کے تجزیہ و تحلیل کا تعلق ہے جو انسانی نفسیات پر اثر انداز ہو کر فرد اور اس کی شخصیت کے پرت بھی کھول دیتا ہے۔ انسانی نفسیات کو جاننے کے لیے فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کو جاننا اشد ضروری ہے۔ فرائڈ کا سب سے بڑا کارنامہ لاشعور کی دریافت ہے۔ انہوں نے لاشعور کا خاص موضوع بنا کر سائنسی انداز میں تحقیق کی۔ جس کے مطابق ہمارے ذہن کی کچھ پوشیدہ تہیں ہوتی ہیں جن میں بھولے بسرے واقعات اور کچھ فراموش یادیں ہوتی

ہیں۔ انسانی روز مرہ کے تجربات کا اکثر و بیشتر حصہ تحت الشعور یا لاشعور میں چلا جاتا ہے۔ کچھ واقعات کو ہم جب چاہیں تحت الشعور سے اپنے شعور میں طلب کر سکتے ہیں لیکن بہت سے واقعات لاشعور میں گم ہو جاتے ہیں۔

جنسی جذبات کا تعلق لاشعور کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ جذبات معاشرتی اقدار کے منافی ہوتے ہیں اس لیے ان پر سماجی پابندیاں ہونے کی بنا پر شدید دباؤ ہوتا ہے۔ اس دباؤ کے نتیجے میں بعض جنسی جذبات کا اظہار تحت الشعور سے شعور میں منتقل ہوتا رہتا ہے جس سے انسان ان جذبات کا منظم اظہار کرتا ہے لیکن اکثر جذبات لاشعور کے گہرے سمندر میں دفن ہوتے ہیں جنہیں اظہار کا موقع تو دور کی بات شعور کی رسائی تک ممکن نہیں ہوتی ایسے جذبات انسانی نفسیات پر خوابوں کے جزیروں میں اُبھرتے رہتے ہیں جو بعد میں تخلیق کار کے قلم سے تحریر بن کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ اردو کے نثری ادب میں جب ہم افسانے کی بات کرتے ہیں تو اس میں جنس نگاری کا موضوع منفرد اور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس موضوع کا اطلاق انسانی زندگی میں روز روشن کی طرح عیاں ہے لیکن پھر بھی اس کا ذکر اندھیروں میں کیا جاتا ہے۔ جنس نگاری کا ادیب کی زندگی پر کیا اثر رہا ہو گا یا اس مصنف کی نفسیات پر کس انداز سے اثر پذیر ہوا ہو گا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کو قاری کو سمجھنا چاہیے۔ علت و معلول کے تعلق کو جانے بنا اچھے ادب کا تخلیق ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے کسی کہانی کی سب سے بڑی کامیابی ہی یہی ہے کہ قاری اس کے ساتھ تطبیق کر کے خود کو ایک کردار سمجھتے ہوئے واقعات کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔

فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی نے انسانی معاشرے کے ساتھ ساتھ ادب کو شدید متاثر کیا۔ فرائڈ کے نظریہ کے مطابق انسان اصل میں اپنی لاشعوری جبلتوں کا غلام ہے جو اس کے اندر پیدائش سے پہلے ہی قدرت کی طرف سے ڈال دی جاتی ہیں جنھیں بچپن میں بڑھاوا ملتا ہے جس میں انسان ذمہ دار نہیں۔ فرائڈ کی علمی کاوشوں سے نفس انسانی کی عمیق ترین تہوں کا کھوج ملا اور جنسیت جسے پہلے گناہ اور جرم قرار دیا جاتا رہا اسے انسانی کردار کی قوت محرکہ قرار دیا گیا۔ فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی سے پہلے روحانی اور اخلاقی ترقی کے لیے جنسی پہلوؤں کی نفی کی جاتی تھی لیکن دور حاضر کا انسان جو تنہائی، کرب، نفرت اور تشکیک کا شکار ہے، اس کی ذہنی تشکیل میں جہاں کئی دوسرے عوامل کارفرما ہیں وہاں فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کو بھی خاص مقام حاصل ہے۔ یہ سگمنڈ فرائڈ ہی تھا جس نے سائنسی تحقیق کو انسانی ذہن، رویوں، برتاو اور اقدار تک پھیلا دیا جس کے نتیجے میں ادب کا سانچہ بھی بدل گیا اور ادب کو نفسیات کے تناظر میں لکھا، پڑھا اور جانچا جانے لگا۔ اردو کے افسانوی ادب میں جنس نگاری کے ابتدائی نقوش داستانوں میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔ پھر ناول میں اس کی جھلکیاں ملتی ہیں مگر افسانے میں جنس نگاری ابتدا ہی سے نمایاں ہو کر سامنے آئی۔

اس ضمن میں نعیم احمد بیان کرتے ہیں:

> "اگر کسی تکلیف دہ انگیخت یا تحریک کو نکاسی کا راستہ نہ ملے تو اس سے خیبت پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنسیت اصول لذت کا راستہ مسدود کر دیتی ہے۔ کوئی شخص اس لیے بھی غائب ہو سکتا ہے کہ اسے اپنا مطلوبہ ہدف یا مطلوبہ شے بیرونی دنیا میں نہ ملے۔ اسی صورت میں خیبت معدومی کہلائے گی۔ مزید برآں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مطلوبہ ہدف یا شے بیرونی دنیا میں موجود ہو لیکن اسے اس کے حصول سے روک دیا جائے، اس صورت میں جو خیبت پیدا ہوا سے محرومی کہا جائے گا۔"(۴)

کسی بھی مصنف کا قلم اس کے پاس ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ اپنے ظاہری یا باطنی جذبات کا کیتھارسس کرتا ہے۔ اردو ادب میں افسانے کو جو مقام حاصل ہے وہ دوسری اصناف کے متوازن ہے۔ اردو افسانے میں جہاں دیہاتی اور شہری زندگی کی سیاسی اور معاشی ناہمواریوں کو موضوع بنایا گیا ہے، وہیں جنس جیسے بڑے موضوع پر بھی بعض بے باک افسانہ نگاروں نے طبع آزمائی کرتے ہوئے ہمارے سماج اور ادب کے اس موضوع کو جلا بخشی ہے۔ اس بات میں تو کوئی دورائے نہیں کہ ادب زندگی ہے اور زندگی میں ہر طرح کے موضوعات شامل ہیں۔ لیکن یہ عجیب امر ہے کہ جنس پر لکھنا معیوب سمجھا جاتا ہے حالانکہ جنس ایک بڑی حقیقت ہے جو ہر جاندار کی جبلت میں شامل ہے۔ جنسی ملاپ ہی تمام جانداروں کی بقا کا ضامن ہے اور تمام جانداروں میں انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف حاصل ہے جو پوری زمین کا مرکزی کردار ہے اور اس میں جنسی کشش سب سے بڑا موضوع ہے تو اس موضوع کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

طرزِ اظہار کی اس قسم ،نظ عام لوگوں کا مذہبی اداروں یا مذہبی راہنماؤں کی طرف سے مذہبی استحصال موضوع بحث بنتا ہے۔ خاص طور پہ وہ مذہبی راہنما جنہوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھا ہوتا ہے اور ان کے قول و فعل میں بہت تضاد ہوتا ہے۔ ایسی تحریر کے لیے بھی بہت جگر چاہیے ہوتا ہے۔ خاص طور پہ ان معاشروں میں جو مذہبی حوالے سے بہت کٹر ہیں اور جہاں حتمی نتائج کے استخراج کی بجائے اندھا دھند تقلید کی روش ٹھوس طریقے سے رائج ہو چکی ہو ہمارا معاشرہ خاص طور پہ مذہبی بے راہ روی کا شکار ہو چکا ہے جس کے بہت کچھ ذمہ دار ہمارے نام نہاد مولوی حضرات ہیں۔

مذہب اور اَدب کے موضوع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی اساس ایک ہی ہے۔ مذہب وہ رشتہ ہے جو ذاتِ مطلق اور انسان کے درمیان ہمیشہ سے استوار رہا ہے۔ مذہب کا تعلق اس Substance (کسی شے کی اصل) سے ہے جو Phenomena (ایسے واقعات جن کا مشاہدہ ان کی وجہ اور جواز کا طالب ہو) کے پسِ پردہ ہوتا ہے۔ اور ان فرائض اور ذمہ داریوں سے بھی جو انسان پر اس ذات کے حوالے سے واجب ہیں کہ جو آفاقی، جاوداں اور بے کراں ہے۔ مذہب اپنے خاص تناظر میں ان سوالوں کا جواب فراہم کرتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ کہاں سے اس دنیا میں وارد ہوئے اور کدھر جا رہے ہیں؟ ادب بھی مآلِ کار ذاتِ مطلق سے اسی وابستگی کی شرح اور تعبیر کرتا ہے۔ صرف شرح و تعبیر ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی توجیہہ بھی پیش کرتا ہے اور انسان کو ان ذمے داریوں کا جو مذہب کی رو سے اس پر عائد ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ان کی تاویلات کرتا ہے اور انسان کے دل کو زندگی کو سلیقے سے بسر کرنے میں جو دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں یا آسکتی ہیں، ان سے نمٹنے کے لیے ڈھارس اور قوت عطا کرتا ہے۔

آپ نے یقیناً دنیا کے سب سے پہلے عظیم ترین شاعر ہومر، جس کا تعلق یونان سے تھا، کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہو گا۔ اس کی نظمیں مذہبی ماحول میں سانس لیتی ہیں اور ایسے حیرت ناک واقعات سے بھری پڑی ہیں جو انسان کو اس ذاتِ مطلق و جاوداں کی اطاعت پر راغب کرتی ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا اور جو ہدایت بخشتا ہے، نیکی کی ترغیب اور بدی سے پناہ مانگنے کے لیے۔ یونان کے المناک ڈراموں میں تو مذہب کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ایک الوہی نظام، ہمیشگی یا بے کرانیت، آفاقیت اور قانونِ خدا کی غیر تغیر پذیری، اس قانون کی خلاف ورزی کی سزا کی ناگزیریت اور اس پر قائم رہنے کا اجر یونانی المیوں کے اٹل عناصر تھے۔ ورجل کی شاعری بھی مذہب کی سریت اور انسان کی اس کے سامنے سپردگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیوکریٹس کا شاہکار De rerum natura انسانی ذہن کی اس کاوش میں ڈوبا ہوا تھا جو اس کائنات کی اور من حیث الکل وجود و عدم کی گتھیاں سلجھانے کی روداد کا آئنہ دار تھا۔

جنوب کے عیسائیوں کا دیومالائی ادب اور ازمنۂ وسطیٰ کے ادب کا موضوع بھی وجودِ مطلق اور اس سے پیدا ہونے والے سسٹم سے وابستہ تھا اور اسکینڈے نیوین ممالک میں تو ادب اور مذہب کا سنگم عروج پر تھا۔

ادب اور مذہب دونوں ہی زندگی کی بہتر تشکیل و تعمیر کے خوگر ہیں۔ دونوں ہی عقل و دانش کے منظم استعمال کے قائل ہیں اور دونوں انسانی جذبات مثلاً محبت، احترام، خوف و ہراس اور سچ کی جستجو کے قائل ہیں۔ ادب اور مذہب دونوں ہی انسان کے ضمیر اور اس کے ارادے کے تقاضوں اور انسان کی آزادی، بھلائی اور اس کی قوتِ ارادی کے دائرۂ عمل کے قائل ہیں۔ دونوں انسانی زندگی کے مختلف پہلوئوں پر تسلط قائم کرنے والے عناصر کو فوکس کرتے ہیں اور اس کے مسائل پر بات کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دونوں ہی دراصل انسانی شرف اور وقار اور اس کی اہمیت اور ضرورت کو مانتے ہیں اور اسے سراہتے ہیں۔ مذہب اور ادب کے عظیم موضوعات میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ موضوعات انتہائی حیات آفریں ہیں مثلاً محبت، جذبات، انسان کی قوتِ ارادی اس کا گناہ اور اس کی سزا اور اس سے نجات حاصل کرنے کے طریقے اور جبر و قدر کا مسئلہ، انسانی خود مختاری کی وسعتیں اور اس کی حدود یہ سب باتیں ادب اور مذہب میں مشترک ہیں۔ مغرب میں ان موضوعات پر دانتے، چوسر اور شیکسپیئر سے لے کر آج کے ناول نگاروں اور شاعروں تک سب نے بہت کچھ لکھا ہے اور بہت خوب لکھا ہے۔

جہاں تک ادب اور مذہب کے اسلوب کا تعلق ہے، اس میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں زندگی کی معنویت کو اجاگر کرنے میں سائنس سے زیادہ آرٹ کو ترجیح دیتے ہیں۔ دینیات کو، جو مذہب کی سائنس سمجھی جاتی ہے، اگر ہم تجزیاتی استغراق سے پڑھیں اور سمجھیں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ بھی بالآخر انسانی جذبات اور قلبی واردات کی تعبیر و شرح سے گہرا تعلق رکھتی اور اسے خاص اہمیت دیتی ہے۔ لیکن اپنے خاص انداز اور مخصوص اسلوب میں دونوں کا طریقہ منطق، فلسفے اور سائنس سے الگ ہوتا ہے۔ ادب اور مذہب دونوں ہی دلائل پر انحصار تو کرتے ہیں لیکن ان میں بہت کچھ عقل و خرد اور فلسفہ و منطق سے بالاتر ہوتا ہے، لہٰذا دونوں زندگی کے اسرار و رموز ہمیں بیشتر اوقات اشاروں اور کنایوں میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی میں بھی حتمی تعقلاتی فیصلے نہیں ملتے۔ تاہم دل چسپ بات یہ ہے کہ دونوں انسان کی نجی زندگی اور اس کی محسوساتی شخصیت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، وہ تعقلاتی سطح پر بھی پورا اترتا ہے چونکہ وہ انسانی ہمدردی سے لبریز ہوتا ہے۔

مذہب ادب کو بہت ہی عمیق اور وسعت سے بھرپور موضوعات بخشتا ہے۔ آسمانی صحیفوں میں آپ ایسے استعارے اور کنایے اور تشبیہات پائیں گے جو شاید دنیا کی بہترین شاعری میں یا ادب میں بھی نایاب ہیں۔ اس کے چند نمونے مغرب کے مشہور ترین شعرا کی نظموں سے پیشِ خدمت ہیں۔ مغرب کے شعرا کی شاعری کو پڑھنا اس لیے لازم ہے کہ کیا ہمارے افسانے، کیا ناول اور کیا جدید شاعری، مغرب کے ادب نے مشرق کے ادب کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اب تو وہ اس کا ایک جزوِ لاینفک بن گیا ہے۔ بعد میں مذہبِ اسلام نے مشرق کے ادب میں جو وسعتیں پیدا کیں، ان کی اہمیت اور ان کی خیر و برکت سے انکار ممکن نہیں، لیکن یہ ساری باتیں ہم اک ذرا تفصیل سے اگلی قسط میں کریں گے۔ اس کالم میں ہم صرف مغرب کی اس شاعری کے نمونے پیش کریں گے جس سے مذہب اور ادب کا صدیوں پرانا سنگم ہمارے لیے سمجھنا زیادہ آسان ہو جائے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ذیل میں آپ جن نظموں کے ٹکڑوں کے تراجم پڑھیں گے، وہ دراصل نظموں کے تراجم سے زیادہ ان کے مفاہیم ہیں۔ ترجمے سے گریز اس لیے لازم ہے کہ ایک تو اس کی ضرورت نہیں، دوسرے یہ کہ یہ کالم کو بلاضرورت طوالت کا شکار کر دے گا۔ تو آیئے دیکھتے

ہیں شہرۂ آفاق برطانیہ کے شاعر پوپ اور جرمنی کے شاعر گوئٹے اور برطانیہ ہی کے شاعر ورڈزورتھ کی شاعری میں مذہب اور ادب کا تال میل کس طرح نظر آتا ہے۔

نفسیات کے شعبہ میں فرائیڈ کے فلسفے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس کے نظریات کی بھرپور مخالفت کے باوجود آج بھی اس کے خیالات کو برابر اہمیت مل رہی ہے۔ تحلیلی و تجزیاتی نفسیات کے مختلف تصورات کو اس نے جنس کی روشنی میں اپنے خاص انداز سے پیش کیا۔ آج نفسیات میں فرائیڈ سے متاثر مختلف ماہرینِ نفسیات پر مشتمل ایک مکمل مکتبہ فکر موجود ہے۔ فرائیڈ نے ہر عمل کو جنس اور نفسیات کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ ذوالفقار علی کے نزدیک جنس اور نفسیات کی بحث کا آغاز سب سے پہلے فرائیڈ نے کیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق شیر خوار بچے میں بھی جنسی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں میں کھانے کی جبلت اور جنسی حظ جمع ہو جاتے ہیں۔(۵)

جب ہم اردو افسانے میں جنس نگاری کی بات کرتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے جہاں سے بات نکلی وہ رومانی تحریک ہے، کا ذکر کرنا چاہیئے کیونکہ اس تحریک نے جذبات اور اقدار کو نئی جہت میں متعارف کروایا اور افسانہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں عورت کے کردار کو محبوبہ اور محبت کے روپ میں پیش کیا جس کے بعد ترقی پسند تحریک نے جنم لیا۔ ترقی پسند تحریک میں شامل افسانہ نگاروں نے حقیقت نگاری اور رومانویت کے امتزاج سے افسانے کو نئی طاقت بخشی۔ سعادت حسن منٹو جنہیں ترقی پسند تحریک نے قبول نہ کیا لیکن ناقدین نے انھیں ترقی پسند کہا جو اردو افسانے میں اہم اور متنازعہ حیثیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اردو افسانے میں انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کو خوب استعمال کیا۔ اس حوالے سے انور سدید لکھتے ہیں:

> "منٹو انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کو پوری آگہی سے استعمال کرنے والے افسانہ نگار تھے، انہوں نے کھردری حقیقت کو بے رحمی سے موضوع بنایا اور ناظر کو برقی جھٹکا لگا کر چونکا دیا۔"(۶)

سعادت حسن منٹو نے انسانی معاشرے کی نفسیات کو سمجھا وہ بہت حساس افسانہ نگار تھے۔ اس نے معاشرے کی ایسی تلخ حقیقت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کا اس انداز میں کوئی افسانہ نگار نام ہی نہیں لے سکتا تھا۔ ان کے موضوعات میں پس پردہ گناہوں، تیسرے درجے کی طوائفوں اور محبت خانوں میں پلنے والے بھیڑیوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ "ٹھنڈا گوشت"، "ٹوبہ ٹیک سنگھ"، "کھول دو" اور "یزید" میں اخلاقی بے راہ روی اور جنسی تشدد کے مختلف روپ سامنے آتے ہیں۔

بھوک اور جنس ایسی جبلتیں ہیں جو جسم کی ضرورت ہیں اور جن افعال کو ہم شعوری طور پر نہایت فاسق یا قبیح سمجھتے ہوں ہو سکتا ہے لاشعوری طور پر وہ افعال بہت زیادہ مطلوب اور اہمیت کے حامل ہونے کو ساتھ ساتھ غالب ہوں۔ جو افعالِ جنس شدت سے ممنوع قرار ہوں وہ لاشعوری طور پر اتنی ہی شدت طلب رکھتا ہے اور کسی نہ کسی طرح ہمارے شعور پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے، چونکہ جنس ایک بہت بڑی حقیقت ہے لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک سب سے بڑی حقیقت سے منہ پھیر لیا جائے۔ منٹو نے جنس نگاری پر جو لکھا یہ اک کا دلیرانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ تھا ورنہ مصنفین خود کو صوفی ثابت کرنے کے لیے ایسے موضوعات پر کم لکھتے ہیں یا پھر معاشرتی پابندیوں کے ڈر سے ان میں اتنی اہمیت نہیں رہتی کہ وہ حساس موضوعات کو اپنا موضوع بنائیں۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو منٹو نے جس شدت سے اپنے افسانوں میں جنسی رجحانات کو جگہ دی اس سے منٹو کے شعوری اور لاشعوری خیالات و

جذبات کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ منٹو جیسا شخص جو شراب نوشی اور ہر وقت نشے میں رہنے کا عادی ہو اس کے جذبات کسی پہنچ پر ہوں گے۔ اس کے دماغ میں شعور کی رو منفی حدود کو چھوتی ہو گی۔ اس حوالے سے ابو اللیث صدیقی کہتے ہیں:

> "منٹو اپنے انسانوں میں ان موضوعات کو جس طرح مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر صورتوں میں ان کا مقصد سستی قسم کے جذبات کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اس لیے اس طبقہ میں جو اس درد میں جنسی ناآسودگیوں کا شکار ہے منٹو اور ان کے ایسے افسانے زیادہ مقبول ہیں۔"(۷)

منٹو کے افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر قاری پختہ ذہن کا مالک ہے تو وہ کبھی بھی ان پر سستی قسم کے جذبات یا جنسی آسودگی کا الزام نہیں لگائے گا بلکہ منٹو نے تو اپنے افسانوں میں عورت اور جنسی موضوعات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ جس سے عورت کی جسمانی کمزوری کو نشانہ بنا کر وحشت اور بربریت کی داستانیں رقم کی جاتی ہیں۔ محمد نعمان کے مطابق منٹو کے جن افسانوں پر فحش نگاری کی وجہ سے مقدمات بنے، ان میں بُو، دھواں، کالی شلوار، ٹھنڈا گوشت، اوپر نیچے اور درمیان جیسے شاہ کار افسانے شامل ہیں۔ ان مقدمات نے منٹو کو اتنی شہرت دی کہ جنس نگاری منٹو کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ منٹو کے علاوہ دوسرے ادیبوں نے بھی جنس نگاری پر لکھا لیکن جو شہرت منٹو کو نصیب ہوئی، کسی اور کے حصے میں نہ آئی(۸)۔ ہر وہ شخص جو ادب کی سوجھ بوجھ اور صحت مند ذہن رکھتا ہے، وہ یہ جانتا ہے کہ یہ افسانے اس ضمن میں نہیں آتے جو شہوانے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ منٹو نے ان عوامل کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ جنس نگاری جو منٹو کے افسانوں میں شدت سے پائی جاتی ہے اس کی مدد سے انہوں نے عورت پر ڈھائے جانے والے مظالم کو کھلم کھلا بیان کیا ہے جو کسی اور موضوع کی آڑ لے کر کبھی بھی نہ بیان کے جا سکتے۔ اس ضمن میں فردوس انور قاضی رقم طراز ہیں:

> "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لوگ جو منٹو کے افسانوں میں موجود انسانیت کی ریاں اور غلیظ تصویروں کو دیکھ کر منٹو کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ وہ حقیقت میں انسانوں کے موضوعات سے خفا ہوتے ہیں یا ان موضوعات کے زیر اثر انہیں اپنے شعور اور لاشعور کے درمیان حائل دیوار کے گرنے کا خوف منٹو پر غصہ دلاتا ہے۔ اس غصہ سے کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے لوگ زخم چھپا لینے کو زخم کا علاج سمجھتے ہیں۔"(۹)

یہ بات درست ہے کہ منٹو انسانی نفسیات کو سمجھتے ہوئے وہ لوگوں کے ظاہر داری، پارسائی اور جھوٹ کے مصنوعی پردے کو اتار کر انہیں ان کی اصل شکل دیکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس حوالے سے محمد حسن عسکری رقم طراز ہیں:

> "گویا منٹو نے جو کنواں کھودا تھا وہ ٹیڑھا بھینگا ہی سہی اور اس میں سے جو پانی نکلا گویا کھارا سہی۔ مگر دو باتیں ایسی ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو یہ کہ منٹو نے کنواں کھودا ضرور، دوسرا یہ کہ اس میں سے پانی نکالا۔ اب ذرا گنئے تو سہی کہ اردو کے کتنے ادیبوں کے متعلق یہ دونوں باتیں کہی جا سکتی ہیں۔"(۱۰)

منٹو کے افسانوں میں جنس نگاری کی نفسیات ان کے افسانوں دھواں، لذت سنگ، ٹھنڈا گوشت، سرکنڈوں کے پیچھے، کالی شلوار، سڑک کے کنارے اور بو وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ جنسی جبلت چونکہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی فطرت میں رکھی

ہوئی ہے اس لیے انسان شعوری طور پر اگر اس حس کو دوسرے لوگوں سے چھپائے بھی لیکن اس کے اندر یہ جذبات پورے عروج سے غالب ہوتے ہیں اور وہ جذبات معاشرے اور معاشرتی انداز کے خوف سے دبے رہتے ہیں لیکن جوں ہی ان جذبات کو موقع ملتا ہے تو انسان اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ منٹو کی تحریریں بھی کچھ اس طرح کا مرقع پیش کرتی ہیں۔ منٹو کے افسانوں میں جنس کو جو غلبہ حاصل ہے اس سے گناہ میں معاونت ملتی ہے جو روح کو بھی ضرب لگاتی ہے۔ ان کے افسانے بلاؤز، پھاہا، سرکنڈوں کے پیچھے، ٹھنڈا گوشت اور کالی شلوار میں جس بے باکی سے جنس نگاری کی گئی ہے اس سے ناپختہ ذہن کے قاری پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ منٹو کے افسانوں میں جنس نگاری کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ذہن کا حقیقت پسند اور تربیت یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ اس حوالے سے گوپی چند نارنگ رقم طراز ہیں:

> "منٹو کے یہاں اس فرسٹریٹڈ فطری انسان کے کئی روپ ہیں۔ پہلا تو وہ ہے جس میں وہ گناہ اور گندگی میں گھرا نظر آتا ہے۔ طوائفیں، ان کے گاہک، ان کے دلال، عیاش مرد اور بدکار عورتیں منٹو کے کردار ہیں۔ یہ سب موجودہ سماج کی گناہ آلودہ جنسی زندگی کے مہرے ہیں۔ فطری جبلتوں کو جب بندشوں سے روکا جاتا ہے اور وہ ان بندشوں کو توڑ کر باہر نکل آتی ہیں تو جنسی زندگی میں افراتفری اور بے راہ روی پیدا ہو سکتی ہے۔ اخلاقی بندشوں نے انھیں گناہ سے بچانے کی بجائے گناہ کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے۔"(۱۱)

سعادت حسن منٹو نے جس طرح سے اپنے اردو انسانوں میں جنس نگاری کی اس پائے کی جنس نگاری جس میں لاشعوری محرکات کا تجزیہ کیا گیا ہو وہ جنس نگاری ہی نفسیاتی کہلائے گی۔ اس کی مثال رحمان مذنب کے افسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جنسی نفسیات کے زیر اثر افسانہ نگار کو کردار کے نفسیاتی مطالعے اور نفسی جزئیات نگاری کے حوالے سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوئی ہے۔ رحمان مذنب نے اپنے افسانوں کو شعوری طور پر نفسیاتی افسانے بنانے کی غیر ضروری کوشش نہیں کی۔ اس لیے ان کے افسانوں میں جنس نگاری نفسیاتی جزئیات نگاری کے ذیل میں آتی ہے۔ جنسی افسانوں میں لاشعوری محرکات کا تجزیہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے سلیم اختر رقم طراز ہیں:

> "سماجی سطح پر فرد کا فرد اور فرد کا معاشرے سے تعلق ہوتا ہے۔ یوں باہمی اثر پذیر اور عمل رد عمل کی بنا پر مختلف حالات اور واقعات سائیکی کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتے رہتے ہیں اور فرد اپنے حقیقی روپ میں سامنے آجاتا ہے۔ یوں فرد کے تجزیے کے ساتھ معاشرے کا بھی نفسیاتی مطالعہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ محض فرد کی ذات اور وجود تک محدود ہے۔ افسانہ نگار ذہنی الجھنوں، نفسی کجرویوں اور پھر ان سے جنم لینے والی کرداری پیچیدگیوں اور ان سے وابستہ علامات سے پردہ اٹھاتا ہے۔"(۱۲)

رحمان مذنب جو جنسی افسانہ نگاروں میں صف اول میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے اپنے افسانوں میں معاشرتی بے راہ روی اور جنسی معاملات کو طوائف کے کردار کے ذریعے بڑے خوب صورت انداز میں اجاگر کیا ہے۔ منٹو اس میدان میں کچھ زیادہ نمایاں ہوئے لیکن رحمان مذنب زیادہ تر پس پردہ رہے جس وجہ سے وہ زیادہ مقبول نہ ہو سکے۔ اتنے کشمکش اور نفسیاتی تصادم والے ماحول میں

جس انسان کا بچپن اور جوانی گزری ہو ایسے ادیب کا شعوری مرتبہ بھی اُسے لذتیت اور حظ سے دور رکھتا ہے۔ گوپی چند نارنگ مذنب کے افسانہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"دوسرے لفظوں میں جہاں منٹو کا آخری قدم رکا ہے وہاں سے رحمان مذنب نے اپنا پہلا قدم اٹھایا اور ایک نسبتاً مشکل زمین میں تخلیق کے نقوش کو اجاگر کیا ہے۔"(۱۳)

منٹو اور مذنب کا میدان اور موضوع ایک ہی تھا لیکن منٹو کی ذہنی نفسیات اور مشاہدہ جنس نگاری کی تہوں کو کھول کر سب کے سامنے عیاں کرتا ہے جبکہ مذنب ماحول کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے کردار کی نفسیات کے ساتھ ساتھ اجتماعی شعور کو بھی پیش کرتا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رحمان مذنب منٹو سے کسی طرح بھی پیچھے رہے بلکہ کئی پہلو تو ایسے ہیں جن کی عکاسی رحمان مذنب نے زیادہ توانائی، عُمیق اور وسعت سے کی۔ شازیہ الماس صمدانی کے نزدیک رحمان مذنب اور منٹو میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ منٹو نے زیادہ تر طوائف اور عورت کی کشمکش کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے جب کہ رحمان مذنب نے اس عام روش سے ہٹ کر بات کی ہے(14)۔ مذنب نے منٹو کے مقابلے میں طوائف کے کردار کو اس کی تمام جزئیات اور پس منظر کے ساتھ اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ عورت جو طوائف بنتی ہے اس کے اندر نفسیاتی طور پر واپس عورت بننے کی خواہش چمٹی رہتی ہے لیکن مذنب کے ہاں جو عورت طوائف بنتی ہے اسے کبھی احساس زیاں نہیں کہ وہ رنڈی ہے بلکہ وہ اپنے کام میں بے باک ہے۔ مذنب کے ہاں جنس نگاری کسی لذت کو جنم نہیں دیتی جس طرح منٹو کے ہاں ملتی ہے اور نہ ہی جذباتیت کو ابھارتی ہے کہ جس سے معاشرتی توازن بگڑے بلکہ انہوں نے اس عورت کو پیش کیا ہے جو حالات و واقعات سے بتدریج طوائف پن اختیار کرتی ہے۔ اور وہ کبھی بھی اپنے طوائف ہونے پر نادم نہیں ہے۔

مذنب کے افسانوں میں جنس نگاری کسی فحاشی کو تحریک نہیں دیتی اور نہ ہی عورت اور طوائف کی نفسیاتی جنگ یا نیکی اور بدی کی کشمکش پائی جاتی ہے۔ مذنب اپنے افسانوں میں اصلاحی تحریک کو پیش بھی نہیں کرتے بلکہ وہ تو محض طوائف کی اصل کہانی کو حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور طوائف کے ساتھ ساتھ ماحول اور اس ماحول کی جزئیات کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ رحمان مذنب کے افسانوں میں طوائف کے جنسی نقوش کو اس انداز سے قلم بند کیا گیا ہے کہ ان میں فحاشی کا نام و نشان تک نہیں۔ رحمان مذنب چونکہ خود ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ان کے والد صاحب مسجد میں امام تھے لیکن ان کا گھر اس مقام پر تھا جہاں طوائف، رنڈی، ہیجڑے، تماش بین اور دلال جیسے کردار سر عام تھے۔ ان کی پرورش ایک دینی پہلو سے ہوئی لیکن جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو حالات بالکل ہی بدل جاتے۔

اس طرح ان کی اپنی شخصیت نفسیاتی طور پر الجھن کا شکار ہے جسے انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے حل کیا ہے وہ اپنے گھر کے باہر کے ماحول سے شاید مرعوب نظر آتے ہیں یا پھر اپنے گھر کے پابند ماحول سے راہ فرار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں شعوری اور لاشعوری جذبات کا منظم سا امتزاج ہے جس میں بے حیائی اور لذتیت نہیں ہے۔ رحمان مذنب خود بھی فحاشی اور لذت پرستی کو ایک فن کار اور ادیب کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں خود رحمان مذنب کہتے ہیں:

"فن کار جوہڑ میں پھول اگاتا ہے اور گندی کھاد سے پھول کھلاتا ہے، گندگی نہیں پھیلاتا۔ فحاشی اور لذت پرستی سے دور رہتا ہے کہوں کہ یہ دونوں اس کے قائل ہیں۔ آرٹ اور پلے بوائے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"(۱۵)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مذنب کے افسانوں کا سب سے بڑا موضوع طوائف اور اس کا موحول ہے جو اسے تخلیق کرتا اور پروان چڑھاتا ہے لیکن ان کے افسانوں میں جنس نگاری بھی مہذب نوعیت اختیار کرتی ہے جس میں فرد کبھی بھی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ شعوری طور پر خود کو معاشرتی اقدار کے سانچے میں ڈھال کر چلتا ہے تاکہ وہ ایک مفید معاشرتی فرد کے روپ میں نکھرے۔ رحمان مذنب اپنے افسانوں میں عورت کے نقوش اور خدوخال کی تو بڑے خوبصورت انداز میں تصویر کشی کرتے ہیں لیکن ان نقوش سے جنسی آسودگی میں ملوث ہو کر لذت کے قائل نہیں بلکہ وہ دور سے ایک تماشائی کی حثیت سے سارا موحول دیکھتے ہیں اور آگے نکل جاتے ہیں۔ مذنب کے افسانوں کا مطالعہ اس بات کی گواہی ملتی ہے کہ وہ فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی سے آگے نکل جاتے ہیں اور ژونگ کے اجتماعی لاشعور کی طرف زیادہ جھکاؤ کرتے ہیں۔ انہوں نے طوائف کے کردار کو فرد واحد شمار نہیں کیا بلکہ اس کردار کے ساتھ جڑے سارے عناصر، ان کی بے چینی، ذہنی کشمکش اور اس ماحول کے اجتماعی لاشعوری محرکات کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ جنس جو ہر فرد کی نفسیات میں پیدا ہونے سے پہلے ہی موجود ہے اس کے اثرات انسانی زندگی اور معاشرے پر کتنے غالب ہیں جو معاشرے کے ہر کردار پر غیر ارادی طور پر اپنی چھاپ رکھتے ہیں اور کوئی بھی فرد چاہے وہ کتنا ہی مہذب ہو اس کے اندر جنسی خواہشات کا ایک لاوا ہوتا ہے۔

اب یہ تخلیق کار پر منحصر ہے کہ وہ اس لاوے کو اپنی تخلیق میں کس طرح پیش کرتا ہے۔ رحمان مذنب جس کا بچپن تو دینی ماحول میں پروان چڑھا لیکن گھر کی دیوار کے باہر جنسی بازار کا ہر وقت گرم رہنا ان کے دماغ پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ وہ اپنے گھر اور باہر کے ماحول میں شدید ٹکراو دیکھتا ہے تو اس کی نفسی اساس اس کی تخلیق میں ساتھ ساتھ چلتی ہے جس وجہ سے وہ جنس نگاری کو شعوری طور پر مثبت رخ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جنسی جذبات کو منٹو کی طرح کھول کر بیان نہیں کرتا بلکہ ایک چست جملے کی مدد سے جنس نگاری کر جاتا ہے اور قاری کے جذبات میں شدت بھی نہیں آنے دیتا۔ ان کے افسانہ "بالی" کا اقتباس یوں لکھتے ہیں:

> "گلی میں قتل وغارت کا ہنگامہ ہوتا رہا لیکن وہ اللہ کا بندہ بالی کی سڈول ریشمی پنڈلیاں، چمکتی دمتی بانہیں اور کھلے گریباں میں سے نظر آتا ہوا گلابی بدن دیکھتا رہا۔ بالی خونی ہنگامے میں کھوئی رہی، وہ اس میں کھویا رہا۔"(۱۶)

بالی جس طرح نفسیاتی خوف میں گھری ہوئی ہے لیکن اس کا عاشق جس پر جنسی جذبات کا غلبہ ہے۔ وہ جنسی نفسیات سے مغلوب ہر خوف سے بے نیاز اپنی محبوبہ کے جسمانی خدوخال اور جنسی نقوش میں محو ہو کر حظ حاصل کر رہا ہے لیکن مذنب نے کن حالات میں ایک فرد کی جنسی نفسیات کو پیش کیا ہے۔ ایسا ماحول جس میں باقی سارے لوگ خوف وہراس میں مبتلا ہیں۔ لڑائی اور قتل و غارت، شور شرابہ اور تصادم ہو رہا ہے لیکن اس کے برعکس ایک کردار جنسی معاملات میں کھویا ہوا ہے۔ مذنب نے افرادی اور اجتماعی شعور اور نفسیات کو ایک لمحے میں قید کر دیا ہے۔ مذنب کے ہاں سستی لذت اور اشتعال انگیز حثیت نہیں ہے۔ اس سے معاشرے کی ہیجانی زندگی کی نفسیات کو جنسی نفسیات کے ساتھ منسوب کر کے مذنب نے اپنی الگ شناخت کا مسئلہ بٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذنب کا اسلوب، خیال اور طوائف کا کردار دوسرے افسانہ نگاروں سے مختلف ہے۔ مذنب کے افسانوں میں جنسی محرکات اور تحریکات کو معاشرے کے لیے تعمیری بنانے کی کوشش گئی ہے۔ اس حوالے سے فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کے اثرات مذنب کی تحریروں میں واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ فرائڈ کے بقول جس کا ترجمہ سلیم اختر نے یوں کیا ہے:

"ان جنسی تحریکات نے انسانی ذہن کو ثقافتی، فن کارانہ اور سماجی نوعیت کی اعلیٰ ترین کار گزاریوں کی تشکیل میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔"(۱۷)

مذنب کے افسانوں میں جنسی معاملات کو بے راہ روی یا بے توقیری انداز میں ہر گز پیش نہیں کیا گیا بلکہ وہ طوائف کے ذریعے عورت کی نفسیات کے ساتھ ساتھ مردوں کے اندر پائی جانے والی جنسی جبلت کو تراشے ہوئے سانچے میں ڈھال رکھتا ہے۔ ایسے سانچے کی تشکیل جو بہت دلکش ہے لیکن وہ کسی قباحت کا سبب نہیں بنتا کیونکہ مذنب کی گھریلو اور باہر کے ماحول کی زندگی میں بہت تضاد ہے۔ یہی اثر اس کی تحریروں میں ہے۔ اس بات کی توثیق ہمیں سلیم اختر کے ہاں یوں ملتی ہے:

"ادب پاروں کی نفسیاتی تشریح کے ساتھ ساتھ نفسیاتی تنقید کا دوسرا فریضہ مصنف کی نفسیاتی ساخت کے تعین اور پھر اس کی روشنی میں اس کی تخلیقی کاوشوں کا جائزہ لینا ہے۔"(۱۸)

رحمان مذنب کے افسانوں میں منٹو کی طرح جنس نگاری نہیں ملتی بلکہ ان کے لاشعور میں ان کا گھریلو دینی ماحول بھی پیوستہ ہے جو انہیں مکمل طور پر آزاد نہیں کرتا اور وہ طوائف کے موضوع کو پیش تو کرتے ہیں لیکن خطرناک حد تک جانے سے گریز کرتے ہیں۔ اپنے گھریلو اور باہر کے ماحول کے حوالے سے رحمان مذنب لکھتے ہیں:

"مفتیوں کے گھرانے میں پیدا ہوا۔ مسجد سے ملواں مکان میں پروان چڑھا۔ ادھر اذان کان میں پڑتی۔ ادھر بائی جی کی ٹھمری سنائی دیتی۔ گھر میں علم و عرفان کا نور برستا۔ باہر سرگم اور تانوں کی برکھا ہوتی۔"(۱۹)

عصمت چغتائی جو ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھیں انہوں نے اپنے افسانوں میں جنس نگاری کو حقیقت نگاری سے منسوب کرتے ہوئے عام اور گھریلو عورت کو اپنا موضوع بنایا۔ انہوں نے اس دور میں نسوانی بغاوت اور جنس نگاری کے پردے کو کھولا جب عورت اس طرح کے خطرناک موضوع کو تحریر میں لانا تو دور کی بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عصمت نے گھریلو عورت کی نفسیات کو جانتے ہوئے اس کی دبی جنسی خواہشات کو حقیقت کے روپ میں بیان کیا۔ ان کے افسانوں میں جنس نگاری کی نفسیات کا بڑا عمل دخل ان کی اپنی آزاد شخصیت سے بھی ملتا ہے کیونکہ آپ آغاز سے ہی بہادر اور اپنی رائے میں مضبوط تھیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں عورت کے داخلی جذبوں، جنسی جبلت اور سماجی کردار کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی شعور کو اجاگر کیا۔

ان کے افسانے گیندا، لحاف، پردے کے پیچھے، بہو بیٹیاں، بے کار، چوتھی کا جوڑ، دو ہاتھ اور امر بیل میں جنسی جذبات کا الجھاؤ اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کا موضوع ذاتی مشاہدے، جنسی نفسیات اور اردگرد کے ماحول سے لیا ہے۔ وہ مرد پرستی اور نسائی ہم جنسیت اور اس جنسی نفسیات کو اپنے افسانوں میں بیان کرتی ہیں۔ انہوں نے عورت کے اس روپ کو بھی بیان کیا ہے جو لوگوں کے سامنے نہیں تھا۔ وہ عورتیں جو پردوں میں رہتی ہیں لیکن نسائی ہم جنسیت کا شکار ہیں ان کو ذہنی اور جسمانی نشوونما نہ تو بڑھتی ہے نہ ہی انہیں اس عمل میں مستقل سکون میسر ہوتا ہے۔ عصمت نے جنسی پیچیدگیوں، نفسیاتی الجھنوں، جنسی گھٹن اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال کو اپنے افسانوں میں خوب صورت طریقے سے پیش کیا ہے۔ عصمت کے ہاں جنس فطری عمل ہے اگر اس فطری عمل کو روک دیا جائے تو یہ عمل دوسرے راستے تلاش کر لیتا ہے جو غیر فطری ہوں گے جو کہ شیر کو گھاس کھلانے والی بات ہو گی۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں جنسی تحریکات کے غالب ہونے کو پیش کیا ہے۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں جس انداز سے جنس نگاری کی ہے اس سے معاشرتی خامیوں، اجتماعی شعوری فقدان اور گھریلو نفسیات کی نشاندہی ملتی ہے۔

ان کا شاہکار افسانہ "لحاف" اس سلسلے کی اہم کڑیوں اور جنسی ناہمواریوں کو کھل کر پیش کرتا ہے۔ عصمت نے متوسط طبقہ کی گھریلو خواتین کے جنسی مسائل، الجھنوں اور پیچیدگیوں کو اپنے افسانوں میں دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ عصمت کی شخصیت کا ان کے افسانوں پر گہرا اثر ہے اور چند افسانے انہوں نے اپنی ذاتی نفسیات کے مرقع بنا کر پیش کیے ہیں۔ ان کے افسانہ "امر بیل" عورت اور مرد کے تعلق میں نفسیاتی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ جنسی تعلقات میں بے ربطی کو پیش کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری کو اس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے ان کا ذاتی تخیل اس حقیقت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ عصمت کے افسانے فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں جن میں شعوری اور لاشعوری محرکات کا عمل دخل ہے۔ منٹو اور عصمت کے حوالے سے فردوس انور قاضی یوں رقم طراز ہیں:

> "منٹو کے نام کے ساتھ ہی عصمت کا نام بھی خود بخود ذہن میں ابھرتا ہے۔ جہاں تک جنسی رجحان کی نمائندگی کا تعلق ہے دونوں نے اس موضوع کو اپنے افسانوں کا محور مرکز بنایا۔ جنسی پیچیدگیاں، نفسیاتی الجھنیں، جنسی گھٹن اور گھٹن سے پیدا ہونے والی صورتحال دونوں کے افسانوں کا موضوع ہے۔ "عصمت کا افسانہ "پردے کے پیچھے" نوجوان اور کنواری لڑکیوں کی جنسی جبلت کو بیان کرتا ہے جو ابھی حصول تعلیم کے زمانے میں گزر رہی ہیں لیکن چونکہ شباب اور جوانی ان کی سوچ کو جنسی لحاظ سے شدید متاثر کر رہی ہے تو وہ پردے کے پیچھے سہی اپنی پسند اور نہ پسند کا اظہار کر رہی ہیں۔ اسی طرح عصمت کا پہلا افسانہ "گیندا" میں بھی جنسی نفسیات کو بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ گیندا موجودہ برس کی نوجوان لڑکی ہے اور کم سنی میں اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اس کا شوہر فوت ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کے بیٹے سے جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہے اور ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے۔"(۲۰)

اس کہانی میں جنسی معاملات اور معاشرتی پیچیدگیوں کو بڑی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔ گیندا کی سہیلی اپنے بھائی اور گیندا کی جنسی حرکات و سکنات کو پرکھنے کی شعوری کوشش کرتی ہے اور اس کے اندر بھی چاہے جانے کے جذبات ابھرتے ہیں۔ یہاں پہ بھی عصمت نے فطری جبلت کو ذہنی الجھاؤ سے منسوب کیا ہے۔ اور جب گیندا کی سہیلی رات کو سوتی ہے تو اس کے سامنے بچے ہی بچے آجاتے ہیں۔ جو اس کی اپنی تحت الشعور کی ساری پرتیں ہمارے سامنے کھول کر عیاں کر دی ہیں۔ یہاں پر اصل میں گیندا کی سہیلی بھی اپنے اندر ایسی ہی خواہشات کا طوفان رکھتی ہے۔ عصمت کے ہاں جنس نگاری کو تعمیری انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور عام اور گھریلو خواتین کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ بعض لوگوں نے تو عصمت پر پورنوگرافی کا الزام بھی لگایا ہے حالانکہ پورنوگرافی کا مطالعہ کرنے والے کبھی بھی عصمت پر یہ الزام نہیں لگائیں گے کیونکہ عصمت کے افسانوں میں جنسی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اس انداز سے بیان کیا گیا اس میں کہیں بھی لذت امیزی اور انسانی جسم کے اعضائے مخصوص کی نمائش نہیں ملتی۔

منٹو نے جہاں معاشرے کی ادنیٰ ذات کی عورت کو موضوع بنایا۔ وہی موضوع رحمان مذنب نے بھی بنایا لیکن فرق یہ ہے کہ مذنب نے اس موضوع کو ماحول کے پس پردہ اور جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے اسی طرح عصمت نے ان دونوں کے برعکس زیادہ تر گھریلو اور عام خواتین کے بارے میں افسانہ نگاری کی اور ان کے جنسی الجھاؤ کو اجتماعی شعور اور ایڈ کو مشترک کر کے سلجھانے کی کوشش کی۔ گوپی چند نارنگ بیان کرتے ہیں:

"عصمت کے افسانوں میں دراصل جنس، عمر، طبقاتی فرق جیسے عمومی Barriers عناصر ایسے دروازوں کا کام کرتے ہیں، جن سے گزر کر ان کا افسانوی کردار اور خصوصاً نوجوان کردار کبھی خارجی دنیا کے بارے میں اور کبھی خود اپنے متعلق لاعلمی کی سرحد سے گزر کر علم کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ علم وآگہی کے اسی ایک لمحے پر پورے افسانے کا دارومدار ہوتا ہے۔"(۲۱)

عصمت کے افسانوں میں چونکہ ایک عام گھریلو خاتون کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ گھریلو عورتیں خواہ کسی بھی عمر کی ہو خود عصمت کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے ساتھ ساتھ نفسی احساس کی پرتیں بھی کھولتی ہیں۔ اس ضمن میں ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں کہ:

"عصمت چغتائی کے افسانوں کا خاص موضوع نوجوان لڑکیوں کے کردار ہیں۔ ان عمر کی لڑکیوں کے ذہنی اور نفسیاتی مسائل ان کے ارمان اور الجھنیں، ان کے جنسی جذبات سب ہی کچھ ان افسانوں میں بڑی بے باکی سے بیان ہوئے ہیں۔ اس میں ہر طرح کی لڑکیاں ہیں۔ شوخ، شریر اور تیز طرار بھی، جنسی اور ذہنی طور پر بیمار بھی، اس گھر کی چار دیواری میں بعض بڑی عمر کی بیگمات بھی ہیں جن کی اپنی نفسیات اور اپنے جنسی مسائل ہیں۔"(۲۲)

عصمت نے اپنے افسانوں میں جہاں ہر طبقے کی عورت کے جنسی مسائل اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو پیش کیا وہی انہوں نے معاشرتی اقدار کے فقدان کو بھی اجاگر کیا تاکہ معاشرتی توازن قائم رہے۔ اردو افسانے میں جو نام منٹو اور عصمت نے کمایا وہ رحمان مذنب اور واجدہ تبسم کو نصیب نہ ہوا۔ حالانکہ رحمان مذنب نے بھی اپنا پسندیدہ کردار طوائف ہی چنا۔ عصمت نے گھریلو عورت کو اپنا موضوع بنایا اور عام عورت کے جنسی مسائل اور معاشرتی پیچیدگیوں کو بے نقاب کیا۔

اسی طرح واجدہ تبسم نے حیدر آباد کے نوابوں اور ان کے محلات میں ہونے والے جنسی تعلقات کو پیش کیا ہے۔ واجدہ نے اپنے افسانوں میں مرد کی نفسیات کے ساتھ ساتھ عورت کے جنسی مسائل اور پیچیدگیوں جیسے زندگی کے تلخ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں معاشرتی ناہمواریوں، طبقاتی کشمکش، جنسی گھٹن، مرد وزن کے معاشقے، شادی کے بعد کے حالات، گھریلو مسائل، خوشی وغمی کے واقعات اور نوابین کے محلات سے لیکر تنگ گلی کوچوں میں رہنے والے لوگوں کی نفسیاتی کشمکش کو بڑی باریک بینی سے اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ حقیقت کے قریب تر محسوس ہوتی ہیں۔

انھوں نے زندگی کے ہر طبقہ کے افراد کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ واجدہ کے افسانوں میں جنس نگاری کو ایک خاص انداز میں پیش کیا گیا جس میں حدود انسانی نفسیات اور جنسی جذبات کو چھوتی تو ہیں لیکن آلودہ نہیں ہوتی۔ جنس نگاری کا انداز سستی لذت کو جنم نہیں دیتا بلکہ قاری کے دل کی دھڑکن کو تیز اور سانسوں میں تپش پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم واجدہ کے افسانوں میں جنس نگاری کا نفسیاتی پہلو دیکھیں تو جس طرح انہوں نے اپنے افسانہ "اترن" میں نفسیاتی رنگ بھرے ہیں وہ انہیں دوسرے افسانہ نگاروں سے منفرد بنا دیتا ہے۔ افسانہ "اترن" میں جنسی معاملات کو تخلیق کار شعوری طور پر استعمال کرتا ہے اور اپنی تخلیق میں وہ سرور اور مستی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو اصل تخلیق کار کا مقصد ہوتا ہے۔ جنس کے ضمن میں واجدہ تبسم لکھتی ہیں کہ:

"اور انہوں نے ہونٹوں کے شہد سے اپنا مونہہ میٹھا کرنے کو اپنے ہونٹ بڑھا دیئے۔۔ اور چمکی ۔۔ ان کی بانہوں میں ڈھیر ہو گئی۔۔ ان کی پاکیزگی لوٹنے۔۔ خود لٹنے۔۔ اور انہیں لوٹنے کے لیے۔"(۲۳)

ان کے ہاں جنس نگاری کو بہت اہمیت دی گئی ہے لیکن اس میں معاشرے کے بڑے طبقے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ واجدہ چونکہ خود بھی امیر اور جاگیر دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ۱۹۴۷ء کے حالات کی وجہ سے انہیں معاشی تنگی اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا تو ان کے اندر ایک محرومی کا احساس بھی جا بجا کھٹکتا رہتا ہے۔ "اترن" افسانہ اسی احساس محرومی کے تناظر میں مصنف کی نفسی احساس کا بھی ترجمان ہے۔ پاشا اور چمکی کا بچپن سے تعلق، پاشا نواب زادی اور چمکی ہمیشہ اس کے اترے کپڑے پہنتی ہے۔ جس کا بدلہ وہ آخر کار پاشا کی شادی سے ایک رات پہلے اس کے ہونے والے شوہر کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر کے لیتی ہے اور کہتی ہے کہ پاشا اب ساری زندگی تم میرا استعمال کیا ہوا مرد استعمال کرو گی۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی برتری کی جنگ ہے جس میں جیتنے والا تو یہی سمجھتا ہے کہ وہ جیت گیا حالانکہ حقیقت میں وہ ہار جاتا ہے بس اس کے اندر جو احساس پختہ ہو چکا ہوتا ہے اسے مارنے کے لیے اس احساس کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ان کا افسانہ "ذرا ہور اوپر" بھی جنسی نفسیات کی عمدہ مثال ہے جس میں نواب صاحب اپنی نئی نویلی دلہن کو تو منہ نہیں لگاتے اور باہر محل کی نوکرانیوں کے ساتھ خوب مزے لیتے ہیں جس کے رد عمل میں دلہن بھی محل کے نوکروں کے ساتھ اپنی جسمانی بھوک مٹاتی ہے۔ جنسی جذبات کا انسان میں لاشعوری طور پر پروان چڑھنا ایک فطری عمل ہے لیکن اس جذبے کو جنس مخالف تسکین کی اعلیٰ منزل تک پہنچاتا ہے لیکن اگر جنس مخالف سے جنسی تعلقات کا ڈر ہو تو پھر عصمت چغتائی کا افسانہ "لحاف" وجود میں آتا ہے جس میں غیر فطری جنسی معاملات بیان ہوئے ہیں۔

واجدہ کے افسانوں میں جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر فطری عوامل کو جگہ نہیں ملتی۔ واجدہ پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے افسانوں میں حیدر آباد کے نوابوں کا مذاق اڑایا اور ان کی شان و شوکت کو کھوکھلا بنا کر ان کے کردار پر انگلی اٹھائی اور اپنی ذہنی اور نفسیاتی خواہش کی تسکین کی۔ واجدہ کے افسانوں میں جنس نگاری کا غلبہ دیکھ کر یہ تاثر بھی دیا گیا کہ ان کے افسانے گھریلو عورتوں کے پڑھنے کے لائق نہیں۔ واجدہ کا یہ خیال تھا کہ ہمارا معاشرہ اتنا بے حس ہے کہ اگر مرد کے بارے میں لکھتا ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر عورت، عورت کے بارے میں لکھتی ہے تو اُسے فحش نگار جیسے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں "شہر ممنوع"، "توبہ توبہ"، "تہہ خانہ"، "اترن" اور "آیا بسنت سکھی" شامل ہیں۔ واجدہ نے اپنے افسانوں میں نہ صرف انسانی نفسیات سے جنس نگاری کی بلکہ معاشرے کے اعلیٰ طبقات کے محلات میں ہونے والی سماجی اور جنسی انحرافات کو بھی بڑے بے باک انداز میں پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شیر محمد اختر، فرائڈ کا نظریہ جنس، لاہور، ادارہ ادبیات جدید، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳

۲۔ کینتھ واکر اور فلیچر، پیٹر، جنس کا نفسیاتی پہلو (Sex and Society) (مترجم سید قاسم محمود) لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۶۱ء، ص ۶۶

۳۔ وزیر آغا، ادب اور جنس کا مسئلہ، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۷ء، ص ۳۵

۴۔ نعیم احمد، سگمنڈ فرائڈ کا نظریہ تحلیل نفسی، لاہور، حاجی منیر پرنٹر، 2002ء، ص ۱۰۰

۵۔ذوالفقار علی ، اُردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان (۱۹۴۷ء کے بعد)، مقالہ برائے ایم ۔فل اُردو، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء، ص:۴

۶۔انور سدید، اردو ادب کی تاریخ، لاہور، عزیز بک ڈپو، ۲۰۱۳ء، ص:۴۸۲

۷۔ابو اللیث صدیقی، آج کا اردو ادب، کراچی، فیروز سنز، ۱۹۷۰ء، ص:۲۰۴

۸۔محمد نعمان، منٹو کے متنازعہ افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ، مقالہ برائے ایم۔اے اُردو، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء، ص:۲۴۶

۹۔فردوس انور قاضی، اردو افسانہ نگاری کو رجحانات، لاہور، اکرم پرنٹنگ پریس، ۲۰۲۲ء، ص:۳۴۱

۱۰۔محمد حسن عسکری، ستارہ یا بادبان، کراچی، مکتبہ سات رنگ، ۱۹۷۱ء، ص:۲۵۱

۱۱۔گوپی چند نارنگ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، ۲۰۰۲ء، ص:۱۹۵

۱۲۔سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، لاہور، اظہار سنز، ۲۰۱۰ء، ص:۹۵

۱۳۔گوپی چند نارنگ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۸

۱۴۔شازیہ الیاس صمدانی، رحمٰن مذنب کی شخصیت و فن، مقالہ برائے ایم۔اے اُردو، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء، ص:۲۷۵

۱۵۔رحمان مذنب، قلم کتاب اور زندگی، لاہور، رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ، س۔ن، ص:۳۳

۱۶۔رحمان مذنب، بالی، لاہور، رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ، س۔ن، ص:۲۷۳

۱۷۔سلیم اختر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۶۸

۱۸۔سلیم اختر، تنقیدی دابستان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۱۵۸

۱۹۔رحمان مذنب، میری بات، لاہور، رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ، س۔ن، ص:۱۱

۲۰۔فردوس انور قاضی، اردو افسانہ نگاری کو رجحانات، لاہور، اکرم پرنٹنگ پریس، ۲۰۲۲ء، ص:۳۶۴

۲۱۔گوپی چند نارنگ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، ۲۰۰۲ء، ص:۴۲۱

۲۲۔ابو اللیث صدیقی، آج کا اردو ادب، کراچی، فیروز سنز، ۱۹۷۰ء، ص:۲۲۶

۲۳۔واجدہ تبسم، واجدہ تبسم کے بہترین افسانے (مرتبہ آصف نواز) لاہور، مکتبہ شعر و ادب، ۲۰۱۹ء، ص:۹۲

References in Roman Scrit:

1. Sheer Muhammad Akhtar, Freud's Theory of Gender, Lahore, Maktaba-e-Jadeed, 2004, p.33
2. Kenneth Walker and Fletcher, Peter, Narrative Aspects of Gender (Gender and Society) (translated by Syed Qasim Mahmood), Lahore, Maktaba Jadid, 1961, p.66
3. Wazir Agha, Adab Our Jins Ka Mutalia, New Delhi, Modern Publishing House, 1987, p.35
4. Naeem Ahmad, Sigmund Freud's Ka Nazrya Tahleel Nafsi, Lahore, Haji Munir Printer,2002, p.100

5. Zulfikar Ali, Urdu Safar Namy Men Jins Nigari Ka Rujhan (1947 Kay Bad), Thesis M. Phil Urdu, Lahore, Punjab University, 2004, p.4
6. Anwar Saeed, Urdu Adab Ki Tareekh, Lahore, Aziz Book Depot, 2013, p.482
7. Abul Lais Siddiqui, Aaj Ka Urdu Adab, Karachi, Firoz Sons, 1970, p.204
8. Muhammad Nauman, Manto Kay Mutnazia Afsanon Ka Tajziya, Thesis M.A. Urdu, Lahore, Punjab University, 2015, p.246
9. Firdous Anwar Qazi, Urdu Afsana Nigari Ky Rujhanat, Akram Printing Press, 2022, p.341
10. Muhammad Hasan Askari, Sitara Ya Badiban, Karachi, Maktaba Sat Rang, 1971, p. 251
11. Gopichand Narang, Urdu Afsana Rwait o Masaail, Lahore, Sangmail Publications, Urdu Bazar, 2002, p.195
12. Saleem Akhtar, Dr., Afsana Haqeeqat Say Alamat Tak, Lahore, Izhar Sons, 2010, p. 95
13. Gopichand Narang, Urdu Afsana Rwait o Masaail, Lahore, Sangmail Publications, Urdu Bazar, 2002, p.118
14. Shazia Ilyas Samdani, Rahman Muznib Sakhsiat O Fan, Thesis: MA Urdu, Lahore, Punjab University, 1994, p. 275
15. Rehman Muznab, Qalam Kitab Aur Zindagi, Lahore, Rehman Muznab Literary Trust, p. N, p. 33
16. Rehman Muznab, Bali, Lahore, Rehman Muznab Literary Trust, S. N, p. 273
17. Saleem Akhtar, Teen Bary Nafsiayt, Lahore, Milestone Publications, 2016, p. 158
18. Saleem Akhtar, Tanqeedi Dabastan, Lahore, Sanemil Publication, 2016, P 158
19. Rehman Muznab, Meri Baat, Lahore, Rehman Muznab Literary Trust, p. N, p. 11
20. Firdous Anwar Qazi, Urdu Afsana Nigari Kay Rujhanat, Lahore, Akram Printing Press,2022, p.364
21. Gopichand Narang, Urdu Afsana Rwait o Masaail, Lahore, Sangmail Publications, Urdu Bazar, 2002, p.441
22. Abul Lais Siddiqui, Aaj Ka Urdu Adab, Karachi, Firoz Sons, 1970, p.226 23.
23. Wajda Tabsum, Wajda Tabsum Kay Bahtreen Afsany (Edited: Asif Nawaz), Lahore, Maktaba Seer O Adab, 2019, p. 92